نہرو بال پستکالیہ ——— 49

بستی کی سیر

ولی کمن نن

مترجم:
ایس' اے' رحمٰن

نیشنل بک ٹرسٹ' انڈیا

1983 (ساکا 1905

قیمت : 2.50

MADAM RIDES THE BUS URDU

PUBLISHED BY THE DIRECTOR, NATIONAL BOOK TRUST, INDIA, A 5 GREEN PARK, NEW DELHI 110016 AND PRINTED AT RAKESH PRESS, A-7 NARAINA INDUSTRIAL AREA, PHASE II, NEW DELHI 110028.

ولیامئی آٹھ برس کی ایک لڑکی تھی۔ اس کا پسندیدہ مشغلہ اپنے گھر کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر گلی کا نظارہ کرنا تھا۔

ولیامئی کو اپنا نام بہت پسند تھا۔ اس دنیا میں کہیں بھی، کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے جسے اپنے نام سے محبت نہ ہو ؟

لیکن اکثر ایسے بھی موقعے آتے تھے جب ولیامئی کو اپنے نام سے نفرت ہوتی تھی۔ ایسا اس وقت ہوتا تھا جب دوسری لڑکیاں یہ گیت گا کر چڑاتی تھیں :

ولیامئے ولیامئے
تمہارے دولہا کہاں گئے
ولیامئے ولیامئے
آخر کیوں وہ بھاگ گئے

ایسے موقعوں پر اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے اور وہ بے بسی سے لڑکیوں کے منہ

تکنے لگتی تھی۔

افسوس! اس موقعہ پر لڑکیاں کورس میں دوبارہ گانے لگتی تھیں۔

ایک چپٹا چہرہ
چپٹا ہی رہے گا
ایک کالی کیتلی
کالی ہی رہے گی

بیچاری ولیامٹی آخر تنگ آ کر روتی سسکتی گھر کے اندر بھاگ جاتی تھی۔ اسے اپنے ماں باپ سے نفرت ہونے لگتی تھی کہ انہوں نے اس کا ایسا نام کیوں رکھا۔ لیکن اس کا یہ غصہ بس تھوڑی دیر کے لئے ہوتا تھا کیونکہ جلد ہی اسے اپنا نام بہت میٹھا اور پیارا پیارا لگنے لگتا تھا۔

ولیامٹی کی گلی میں ساتھ میں کھیلنے کے لئے ہم عمر ساتھی نہیں تھے اس لیے گھر کے دروازے پر کھڑے رہنے کے علاوہ اور وہ کر ہی کیا سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی ماں نے بھی ولیّ کو آس پاس کی گلیوں میں جا کر کھیلنے سے سختی سے منع کر رکھا تھا۔

دروازے کے سامنے بس کھڑے رہنا طرح طرح کے کھیل کھیلنے سے کم دلچسپ نہیں تھا۔ اس طرح کھڑے رہ کر وہ بہت سے نئے اور عجیب و غریب تجربات سے گزرتی رہتی تھی۔

ایک بار ایک انگریز سپاہی وہاں سے گزرا۔ واہ کتنا سفید رنگ تھا اس کا! کتنے بڑھیا کپڑے اس نے پہن رکھے تھے! عورتیں اسے ایک نظر دیکھنے کے لیے ایک دوسرے پر پلی پڑ رہی تھیں۔

البتہ چند بچے اور کچھ بڑے بھی ڈر اور گھبرا کر اسے دیکھتے ہی اپنے گھروں کے

اندر جا کر چھپ گئے تھے لیکن ان میں ولیامٹی نہیں تھی۔ تمہیں معلوم ہے اس نے کیا کیا؟ وہ جلدی سے اپنی ایڑیوں کے بل کھڑی ہو گئی اور سیلوٹ مار کر بڑے چاق و چوبند انداز میں بولی: "سلام!"

سپاہی اس کی طرف گھوما اور اسے دیکھ کر مسکرایا۔ "گڈ مارننگ!" اس نے کہا اور اپنے راستے پر آگے بڑھ گیا۔ لیکن اب تو ولیّ کی خوشی کی حد نہ رہی تھی۔ اچھلی، کودی اور خوشی میں تقریباً ناچنے لگی۔ اس نے ہر ایک کو فخر سے بتایا کہ ایک انگریز نے اس سے بات کی ہے۔

"بہت اچھے، بہت خوب!" بہت سوں نے کہا۔ گلی کے لوگوں میں ولیّ کی اہمیت بہت حد تک بڑھ گئی تھی۔

یہ سچ ہے کہ وہ جہاں رہتی تھی اس گلی لوگوں کی آمد و رفت زیادہ نہیں تھی لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ گلی بالکل سنسان ہی رہتی تھی۔ وہاں ہر وقت کسی نہ کسی کو آتے جاتے دیکھا جا سکتا تھا۔ کبھی کبھی ایک بیل گاڑی بھی وہاں سے گزرتی تھی جس کے پہیے چوں چرر کر کے تیل کی ضرورت کا اظہار کرتے تھے، البتہ بیلوں کی گردنوں میں جو گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں ان کی آواز بڑی مدھر ہوتی تھی۔ کبھی کبھار گلی کے دوسرے سرے سے ایک کتا اس طرح جھپٹا ہوا آتا تھا جیسے بہت مصروف ہو لیکن اچانک ہی وہ آہستہ ہو جاتا۔ ادھر ادھر سونگھتا اور اس کے بعد ایک ٹانگ اٹھا کر راستے کے کسی پودے کو پانی دے ڈالتا اور اس کے بعد وہ پھر گلی کے دوسرے کنارے کی طرف اس طرح جھپٹتا ہوا چلا جاتا کہ جیسے کہیں کچھ بھول آیا ہو اور اب اسی کو لینے جا رہا ہو۔ ان کے علاوہ وہاں یقیناً فقیر بھی آتے تھے اور پھیری لگا کر سودا بیچنے والے بھی۔ ہاں واقعی سارے دن دروازے

پر کھڑے رہ کر نظارہ کرنے ہی سے دلّی کو ملنے والی تفریح اور مسرت کی انتہا نہیں تھی۔

اس گلی میں سے گزرنے والی سب سے دلچسپ چیز شہر میں چلنے والی

بس تھی جو ہر ایک گھنٹے بعد وہاں سے گزرتی تھی کبھی ایک طرف جاتے ہوئے اور کبھی اُدھر سے واپس آتے ہوئے۔ ہر مرتبہ نئی نئی سواریوں سے
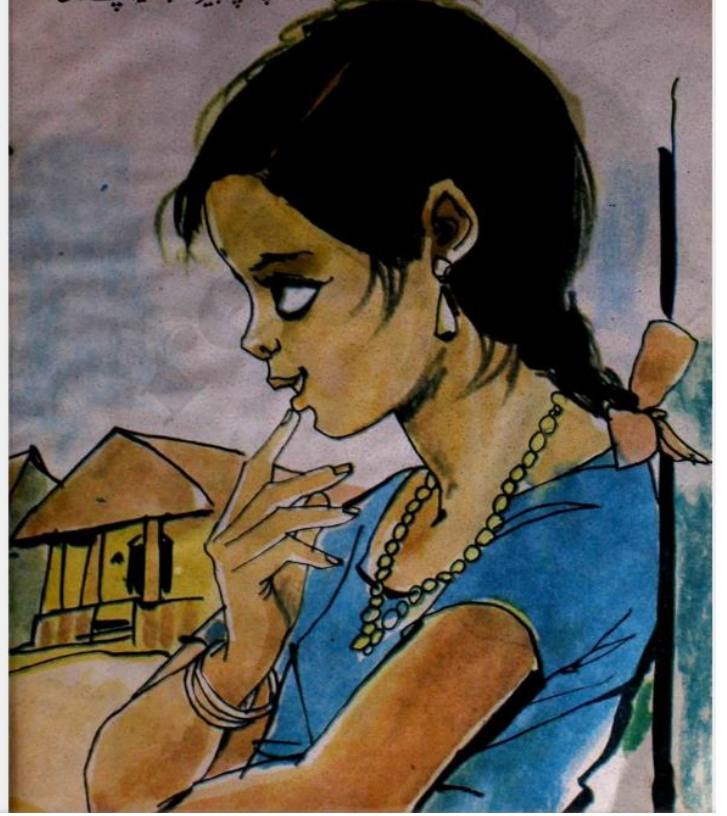
بھری ہوئی بس کا نظارہ کرنا دلیا مٹی کی بے پناہ مسرتوں کا ایک وسیلہ تھا۔

وہ اسے روزانہ ہی دیکھتی تھی اور ایک دن اچانک اس کے چھوٹے سے دماغ میں ایک چھوٹی سی خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے سوچا کہ کم از کم ایک مرتبہ وہ بھی بس کی سواری کرے۔ یہ خواہش دن بدن بڑھتی ہی گئی اور آخر ایک دن بہت ہی شدید ہوگئی۔ دلیّ بہت غور سے اس بات کا مشاہدہ کیا کرتی تھی کہ جب گلی کے نکڑ پر بس رکتی ہے تو لوگ کس طرح چڑھتے اور اترتے ہیں۔ ان کے چہرے اس کے خواب اور توقعات بن کر اس خواہش کو بڑھاوا دیتے تھے۔ جب بھی اس کی کوئی سہیلی بس میں سفر کرنے کی شیخی بگھارتی تھی اور اپنے سفر کی تفصیل سناتی تھی تو دلیّ حسد سے جل جاتی تھی۔ "پراوڈ، پراوڈ" وہ انگریزی میں چلا اٹھتی تھی۔ دلیّ اور اس کی سہیلیاں اگرچہ اس لفظ کے معنی نہیں جانتی تھیں مگر اس کا استعمال وہ بہت آزادی سے کرتی تھیں۔

دلیّ دنوں اور مہینوں ان لوگوں کی گفتگو سنتی رہی جو بس کی مستقل سواریوں اور اس کے گاؤں سے کبھی کبھار شہر جانے والوں میں ہوتی تھی۔ وہ بس کے سفر سے متعلق چھوٹی چھوٹی سی باتوں کا بھی تذکرہ کرتے تھے۔ اس نے بہت سی باتیں تو ان لوگوں سے پوچھ پوچھ کر سیکھی تھیں۔

گاؤں سے شہر چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ بس کا ایک طرف کا کرایہ تیس پیسے تھا تو اس طرح دونوں طرف کا کل کرایہ ساٹھ

پیسے ہوتا تھا۔ بس کو شہر تک پہنچنے میں تقریباً 45 منٹ لگتے تھے۔ شہر پہنچ کر اگر وہ بس ہی میں بیٹھی رہے تو واپسی کا 30 پیسے کرایہ ادا کر کے وہ اسی بس سے گھر واپس آسکتی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر وہ اپنے گاؤں سے ایک بجے چلے تو وہ پونے دو بجے شہر میں ہوگی۔ اب اگر وہ اسی بس سے واپس آتی ہے تو تقریباً پونے تین بجے اپنے گاؤں واپس پہنچ جائے گی۔

اس سلسلے میں وہ بار بار حساب لگاتی اور پروگرام بناتی رہی...............

ایک روز جب بس گاؤں کی سرحد سے نکل کر بڑی سڑک پر آرہی تھی تو ایک بہت چھوٹی آواز کی پکار سنائی دی: "بس روکو، بس روکو!" اور اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا ہاتھ بس ٹھہرانے کا اشارہ کرتے ہوئے سامنے آیا۔

بس کی رفتار ہلکی ہوگئی۔ کنڈکٹر نے باہر دیکھا اور جھنجھلاتے ہوئے کہا: "چلو، جلدی کرو، بس میں کون چڑھنا چاہتا ہے؟"

"بس روکیے، مجھے چڑھنا ہے!" دلی نے کہا۔

"ارے کیا واقعی! کیا کہہ رہی ہو تم!" کنڈکٹر حیرت زدہ ہوگیا۔

"جی ہاں، مجھے شہر جانا ہے اور یہ لیجیے اپنا کرایہ۔"

اس نے کہا اور کنڈکٹر کی طرف پیسے بڑھائے۔
"اچھا، اچھا، پہلے اندر تو آؤ۔" کنڈکٹر نے کہا اور اسے اٹھا کر بس میں چڑھانا چاہا۔
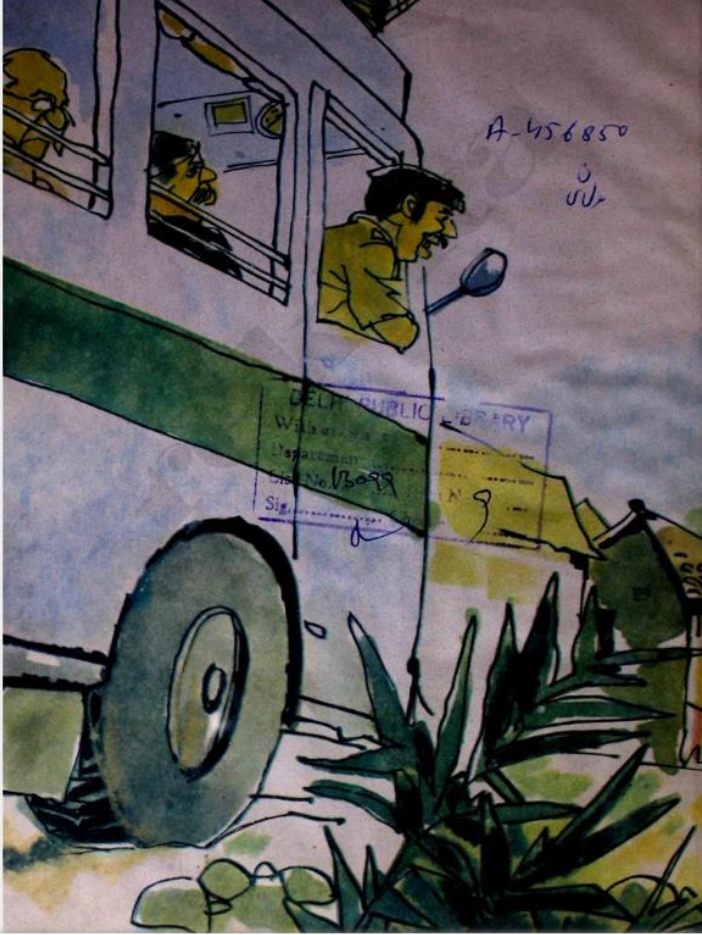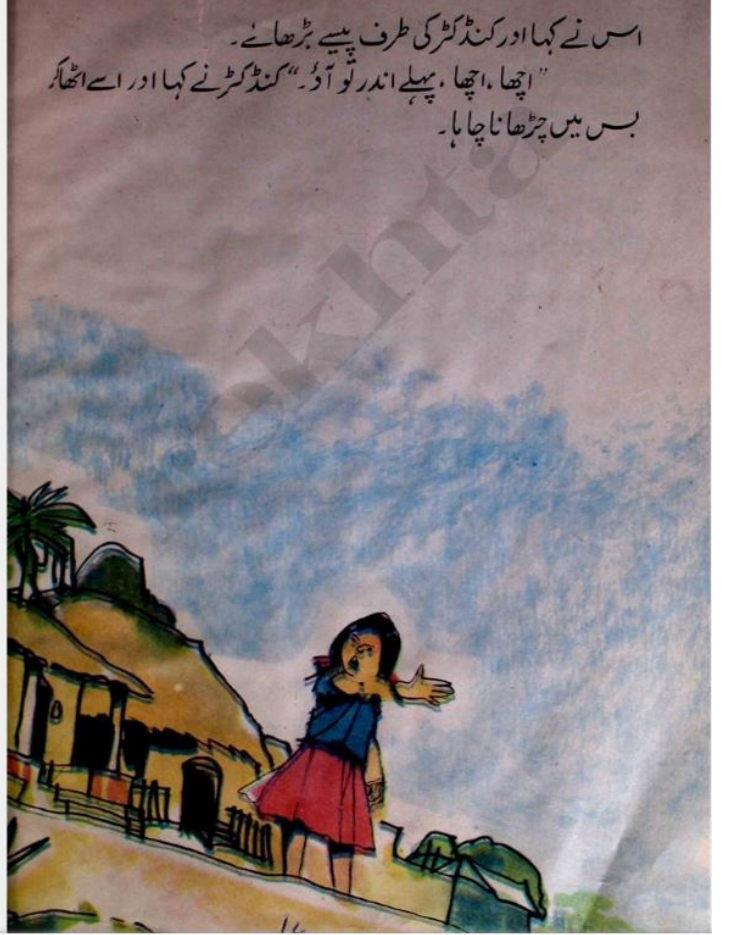
"ارے ارے، میں خود بس میں چڑھ جاؤں گی، تم مجھے کیوں اٹھا رہے ہو؟"

کنڈکٹر ایک ہنس مکھ شخص تھا۔ اس نے کہا "اوہ میڈم، آپ ناراض نہ ہوں اور برائے کرم اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں۔" اس نے کہا اور پھر بس کی سواریوں سے مخاطب ہو کر بولا "از راہِ کرم راستہ دیں، میڈم تشریف لا رہی ہیں۔" اس وقت بس میں سواریوں کا اژدحام نہیں تھا۔ اِدھر اُدھر کی سیٹوں پر کل چھ سات آدمی بیٹھے تھے۔ وہ سب ہی دلی کو دیکھ رہے تھے۔ جب کنڈکٹر نے یہ الفاظ کہے تو وہ ہنس پڑے۔

دلی شرما گئی اور تیزی سے آگے بڑھ کر ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"میڈم، کیا چلیں؟" کنڈکٹر نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور اپنی سیٹی دو مرتبہ بجائی۔ بس گھر گھرائی اور آگے بڑھنے لگی۔

یہ بالکل نئی بس تھی۔ اس میں باہر کی طرف سفید رنگ کیا ہوا تھا جس میں کئی ہری دھاریاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ اندر کے رُخ بس کا رنگ بحیثیت مجموعی سلیٹی تھا۔ اس کے بالکل سامنے ایک خوبصورت گھڑی تھی اور سیٹیں بھی بہت ملایم اور آرام دہ تھیں۔

دلی نے سب ہی چیزوں پر نگاہ ڈالی۔ کھڑکیوں کے باہر ترپال کے جو پردے لٹک رہے تھے، ان کی وجہ سے باہر کا منظر اس کی آنکھوں سے کافی حد تک چھپ گیا تھا۔ وہ اپنی سیٹ پر کھڑی ہو گئی اور باہر دیکھنے لگی۔

بس اس وقت ایک نہر کے کنارے سے گزر رہی تھی۔ یہ سڑک کا بہت ہی تنگ حصّہ تھا۔ اس کے ایک طرف نہر تھی جس سے پرے پام کے درخت، گھاسی میدان تھے اور ان سے بھی دور پہاڑ اور نیلا آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ دوسری طرف ایک گہرا نشیب تھا اور اس سے آگے ان گنت ایکڑ زمین پر پھیلے ہوئے ہرے بھرے کھیت تھے۔ جہاں تک نظر جا سکے، ہریالی، ہریالی ہی تھی۔

اوہ، یہ سب کتنا خوبصورت ہے!

اچانک ایک آواز سُنائی دی اور وہ گھبرا سی گئی۔

"سنو بچی!" کسی نے کہا "اس طرح کھڑی مت ہو۔ بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گئی اور اس نے بولنے والے کو دیکھا۔ یہ ایک بوڑھا شخص تھا جس نے اگرچہ دلی کے فائدے کی بات کی تھی لیکن وہ اس کے کہنے سے چڑ گئی تھی۔

"یہاں کوئی بچی وچی نہیں ہے۔" اس نے کہا "میں نے پورا کرایہ ادا کیا ہے۔"

کنڈکٹر نے دخل دیتے ہوئے کہا! "جناب، یہ تو ایک بڑی میڈم ہیں کیا ایک بچی اپنا کرایہ ادا کر سکتی ہے۔ اور وہ خود اپنے طور پر شہر کی سیر کو نکل سکتی ہے؟"

دلی نے اسے بھی گھور کر دیکھا اور کہا: "میں کوئی میڈم ویڈم نہیں ہوں۔ سمجھے اور ہاں ابھی تک تم نے مجھے میرا ٹکٹ بھی نہیں دیا ہے۔"

"سمجھے" کنڈکٹر نے اس کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے

دوہرایا تو سب لوگ ہنس پڑے اور وہ خود بھی اس ہنسی میں شامل ہوگئی۔

کنڈکٹر نے ایک ٹکٹ پنچ کر کے اسے دے دیا: "آرام سے بیٹھو۔ سیٹ کا کرایہ دینے کے بعد تم کھڑی کیوں ہو رہی ہو؟"

"مجھے اس طرح زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔" وہ بولی

"اگر چلتی بس میں کھڑی ہوگی تو تم گر سکتی ہو۔ کیونکہ بس تیزی سے مڑتی ہے اور اس سے بہت تیز جھٹکا لگتا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے تمہیں بیٹھ جانے کے لئے کہا تھا بچی۔"

"میں بتا چکی ہوں کہ میں بچی نہیں ہوں۔" اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "میں آٹھ سال کی ہو چکی ہوں۔"

"یقیناً یقیناً۔ میں بھی کتنا بے وقوف ہوں، آٹھ سال، ایہہ!"

بس ٹھہری اور کچھ نئی سواریاں اندر آئیں اور کچھ دیر کے لئے کنڈکٹر مصروف ہو گیا۔ ولّی بیٹھ گئی تاکہ اس کی سیٹ پر کوئی قبضہ نہ کر لے۔ ایک بوڑھی عورت آکر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ "اکیلی جا رہی ہو، منّی" بس چل پڑی تو وہ ولّی سے بولی۔ ولّی نے اسے بڑی بے رخی سے دیکھا —— کتنے بڑے بڑے سوراخ اس کے کانوں کی لووں میں تھے اور ان سوراخوں میں کتنے بھدے زیور پڑے تھے۔ اس کے منہ سے تمباکو کی بو آ رہی تھی اور پان کی پیک کسی بھی لمحے منہ سے گر سکتی تھی۔

اوو، او!

"ہاں میں اکیلی ہی ہوں اور میں نے اپنا ٹکٹ بھی لے لیا ہے۔" اس نے بڑے تیکھے مگر باوقار لہجہ میں کہا۔

"ہاں، آپ شہر جا رہی ہیں اور آپنے تیس پیسے کا ٹکٹ لے لیا ہے۔" کنڈکٹر نے بتایا۔

"آپ اپنا کام کیجیے جناب" ولّی نے اس سے کہا مگر اسے ہنسی بھی

آ گئی۔ کنڈکٹر بھی ہنسنے لگا۔

"کیا اتنی کم عمر بچی کو اکیلے اکیلے گھومنا چاہیئے؟" بوڑھی عورت نے اپنی نصیحت جاری رکھی۔ "شہر میں تمہیں کہاں جانا ہے؟ کون سی گلی میں؟ کس مکان میں؟"

"اس کے لئے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب کچھ جانتی ہوں۔" ولّی نے کہا اور اپنا چہرہ کھڑکی کی طرف گھما لیا اور باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

یہ اس کا پہلا سفر تھا۔ ارے اس نے کتنی سر دردی اور احتیاط سے اس سفر کا پروگرام بنایا تھا! بڑی احتیاط سے اس نے اپنے جیب خرچ کے لئے ملنے والے پیسے جمع کئے تھے۔ ٹافی، کھلونے، غبارے اور ایسی دوسری چیزوں پر اس کا جیب خرچ ضایع نہ ہو، اس سلسلے میں اسے خود پر بڑا جبر کرنا پڑا تھا۔ تب ہی ساٹھ پیسے اکٹھے ہو سکے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑا کارنامہ تھا خاص طور پر اس دن تو اسے بہت صبر کرنا پڑا تھا کہ جب گاؤں کے میلے میں جھولا جھولنے کے لئے اس کا بہت جی چاہ رہا تھا اور اس کے پاس پیسے بھی موجود تھے۔

پیسے جمع کرنے کے بعد دوسرا مسئلہ ماں کے علم میں لائے بغیر گھر سے باہر نکلنے کا تھا۔ لیکن یہ کام بغیر کسی مشکل کے ہو گیا۔ ہر روز اس کی ماں دوپہر کے کھانے کے بعد ایک بجے سے چار ساڑھے چار بجے تک سویا کرتی تھی اور ولّی اُس وقت میں روزانہ گاؤں بھر کا سیر سپاٹا کیا کرتی تھی اور آج وہ گاؤں سے باہر کی سیر کے لئے نکلی تھی!

بس چلتی رہی۔ کبھی وہ کھلے میدان سے گزرتی تو کبھی چھوٹی چھوٹی دکانوں کے
سامنے سے ــــ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ وہ سامنے سے آتی ہوئی گاڑی یا آدمی سے
ٹکرا جائے گی۔ لیکن ذرا دیکھے کہ وہ ان کے قریب سے بہت صفائی سے گزر جاتی تھی۔
پیڑ پودے دوڑتے ہوئے لگتے لیکن بس جب ان کے پاس سے گزرتی تو وہ مجبور سے

کھڑے نظر آتے۔

اچانک وہ خوشی سے تالی بجا اٹھی۔ ایک گائے، ہوا میں اپنی دم اٹھائے بس کے آگے آگے سڑک کے بیچوں بیچ بہت تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ ڈرائیور جتنی تیزی سے ہارن بجاتا تھا، اتنا ہی زیادہ گھبرا کر وہ اپنی رفتار بڑھاتی چلی جا رہی تھی۔

دنّی کے لئے یہ بڑا دلچسپ تماشہ تھا۔ وہ ہنسی، خوب ہنسی، اتنا ہنسی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ہے میڈم، بس اتنا کافی ہے۔" کنڈکٹر نے کہا۔ "اب کچھ ہنسی کل کے لئے بھی رکھ لو۔"

آخر کار گائے راستے سے ہٹ گئی۔ اس کے بعد بس ایک ریلوے کراسنگ پر پہنچی۔ دیکھا تو ریل گاڑی آ رہی تھی۔ جیسے جیسے وہ قریب آتی گئی، بڑی سے بڑی ہوتی گئی اور بڑے بھیانک شور اور آوازوں کے ساتھ وہ زمین کو دہلاتی ہوئی گزری۔ بس بھی لرزنے لگی تھی۔ یہاں سے گزر کر بس ایک ریلوے اسٹیشن کے پاس پہنچی، وہاں سے وہ ایک بھیڑ بھاڑ والے گنجان بازار سے گزری اور وہاں سے مڑ کر پھر ایک کشادہ سڑک پر آ گئی۔ ارے کتنی بڑی بڑی دکانیں تھیں یہاں! کتنی زبردست روشنی تھی جس میں طرح طرح کے کپڑے اور قسم قسم کی چیزیں دمک رہی تھیں! کتنی زبردست بھیڑ تھی۔ دنّی تو حیرت سے گنگ رہ گئی۔

بس رک گئی اور سب لوگ اس میں سے اتر گئے۔ "اے میڈم، کیا آپ نہیں اتریں گی؟ تیس پیسے بس یہیں تک کے لئے تھے۔" کنڈکٹر نے کہا۔

"میں اسی بس میں واپس جاؤں گی۔" اس نے کہا اور جیب سے تیس پیسے نکال کر کنڈکٹر کی طرف بڑھائے۔

"کیا معاملہ ہے؟ ہائیں!"

"کچھ نہیں، میں تو دراصل بس میں سفر کرنا چاہتی تھی۔"

"کیا تم شہر میں گھومنے نہیں جاؤ گی؟"

"اکیلے؟ اوئی ماں .... مجھے ڈر لگتا ہے۔" اس نے کہا۔ اس کے لہجے اور انداز سے کنڈکٹر بہت لطف اندوز ہوا۔

"بس میں چڑھتے وقت تو تمہیں ڈر بالکل نہیں لگ رہا تھا۔" اس نے کہا۔

"اس میں ڈرنے کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔" وہ بولی۔

"چلو اترو اور سامنے ریسٹورنٹ میں جا کر ایک کپ کافی پی آؤ — اس میں ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ارے نہیں، بالکل نہیں۔"

"اچھا تو کیا میں تمہارے لئے پکوڑا یا مکسچر لے آؤں؟"

"نہیں، ان سب چیزوں کے لئے میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ آپ تو بس مجھے ایک ٹکٹ دیدیجیے۔"

"تمہیں پیسہ ویسہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے پاس سے لے آؤں گا۔"

"نہیں جناب، بالکل نہیں۔" اس نے سختی سے کہا۔

مقررہ وقت پر بس روانہ ہوئی۔ اس بار بھی بس میں بھیڑ نہیں تھی۔

"تمہاری ماں تمہیں ڈھونڈ رہی ہو گی نا؟" کنڈکٹر نے ٹکٹ دیتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"نہیں کوئی بھی میری تلاش میں نہیں ہوگا۔" اس نے کہا۔
پھر وہی حیرت انگیز نظارے! وہ بالکل بور نہیں ہوئی اور اس نے پہلے جیسے جوش و خروش سے ان منظروں کو دیکھا۔
لیکن اچانک ________
ارے دیکھو، وہ گائے .... سڑک پر مری پڑی ہے۔ ادھر سے گزرنے والی ...اری یا ٹرک سے ٹکرا گئی ہوگی۔
...ہلے یہ کس قدر اچھی اور خوبصورت نظر آ رہی تھی لیکن اب کیسی بھیانک ...ہی ہے ...انگیں ادھر ادھر پھیلی ہیں۔ کھلی آنکھوں میں عجیب بھیانک بھ... ان چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔
"کنڈکٹر صاحب یہ وہی گائے ہے نا جو جاتے وقت ہماری بس کے آگے آگے
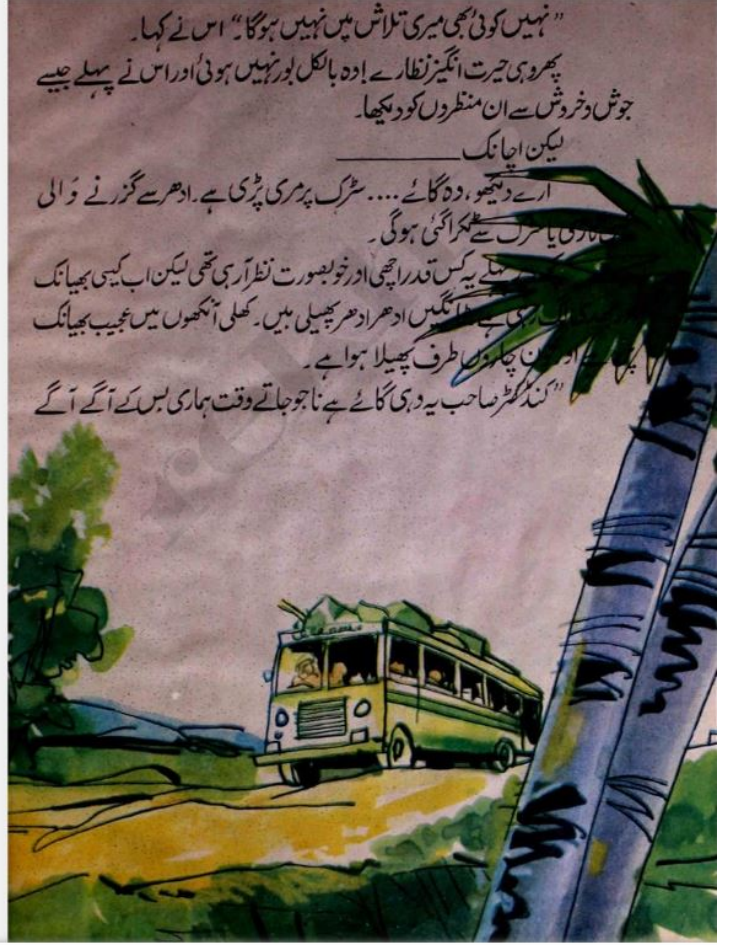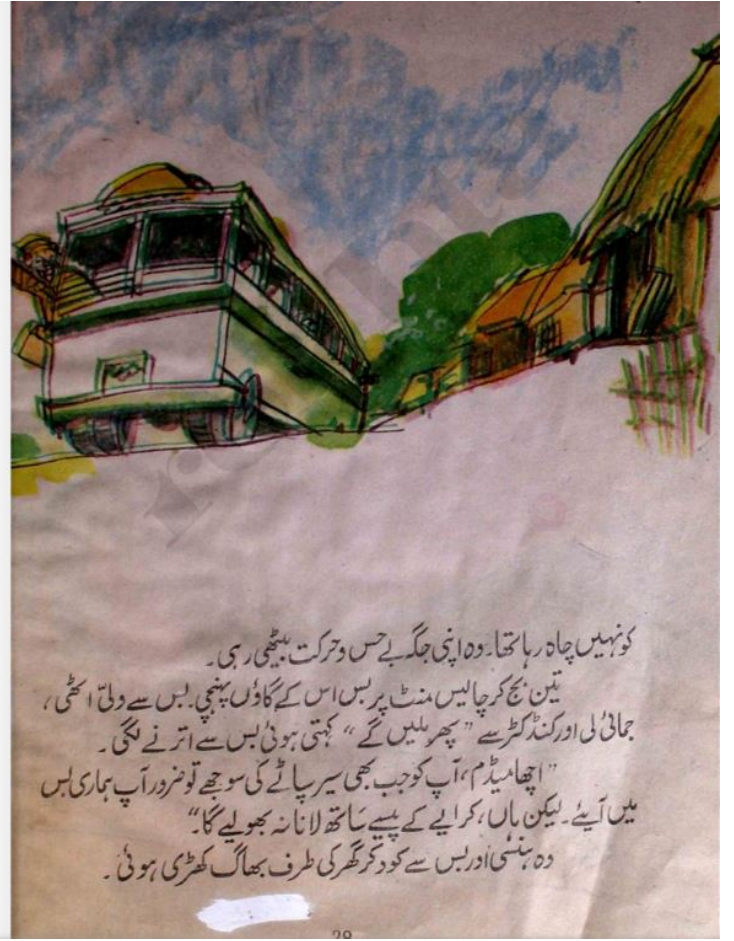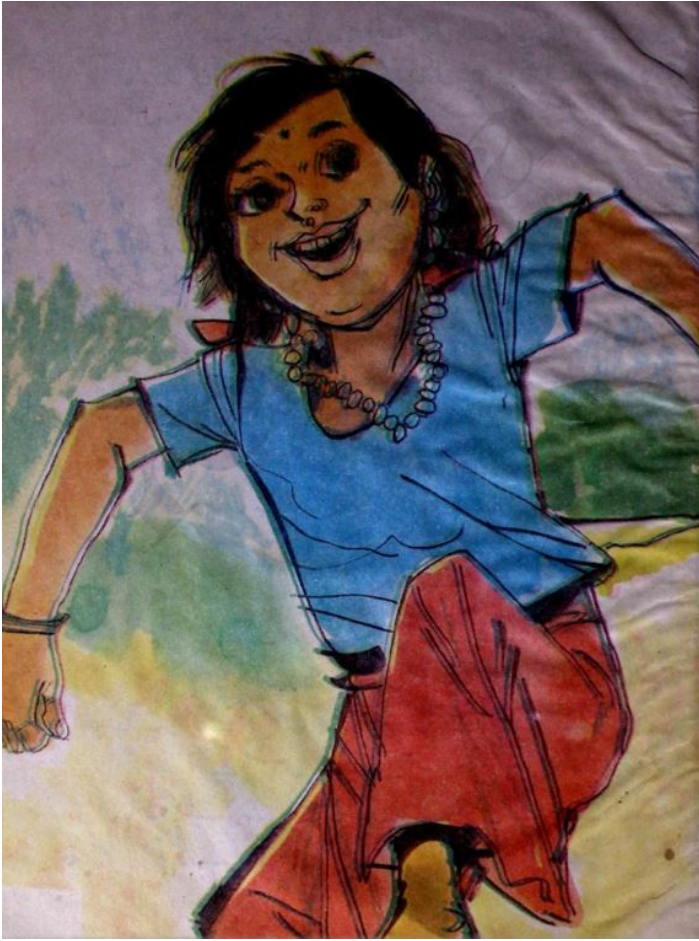
دوڑ رہی تھی؟" اس نے پوچھا۔
کنڈکٹر نے 'ہاں' میں سر ہلایا۔
بس آگے بڑھتی رہی، گائے اس کے ذہن پر چھا گئی تھی جس سے اس کا جوش کم ہو گیا تھا۔ اب اس کا دل کھڑکی سے باہر دیکھنے اور منظروں سے لطف اندوز ہونے

کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

تین بج کر چالیس منٹ پر بس اس کے گاؤں پہنچی۔ بس سے "ولی" اٹھی، جمائی لی اور کنڈکٹر سے "پھر ملیں گے" کہتی ہوئی بس سے اترنے لگی۔

"اچھا میڈم، آپ کو جب بھی سیر سپاٹے کی سوجھے تو ضرور آپ ہماری بس میں آیئے۔ لیکن ہاں، کرایے کے پیسے ساتھ لانا نہ بھولیے گا۔"

وہ ہنسی اور بس سے کود کر گھر کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

وہ جب گھر میں داخل ہوئی، اس کی ماں جاگ چکی تھی اور کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کی آنٹی تھیں جو جنوبی گلی سے آئی تھیں۔ بلاشبہ وہ بولتی مینا تھیں۔ منہ بند کر کے بیٹھنا تو انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ بس ایک مرتبہ زبان چل پڑے ....

"کہاں تھیں تم ؟" دلّی پر نگاہ پڑتے ہی آنٹی نے پوچھا۔ یہ ایک عام سا سوال تھا جو کسی جواب کی توقع کے بغیر کیا جاتا ہے۔ دلّی مسکرا کر رہ گئی اور دونوں بڑی عورتیں اپنی بات چیت میں لگ گئیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہماری اور باہر کی دنیا میں بہت سے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ لیکن کیا ہم سب چیزوں کے بارے میں جان لیتے ہیں ؟ اور تو اور جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ جان گئے ہیں تو بتاؤ کیا واقعی ہمیں اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوتا ہے ؟" دلّی کی ماں نے کہا۔

"ہاں۔" دلّی بول اٹھی۔

"کیا مطلب ؟" اس کی ماں نے پوچھا۔

"میں تو آپ کے بات کی تائید کر رہی ہوں کہ ان گنت واقعات ہمارے علم میں آئے بغیر پیش آتے رہتے ہیں۔"

"ارے اس ہاتھ برابر چھوکری کو تو دیکھو۔ بڑوں کی بات چیت میں اس طرح ٹانگ اڑاتی ہے۔ جیسے بڑی بوڑھی ہو !" آنٹی نے کہا۔

دلّی مسکرائی۔ وہ قطعی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی مسکراہٹ کا مطلب وہ عورتیں سمجھ سکیں۔ اور اگر وہ سمجھ بھی گئیں تو کیا....!

ڈولی مسکرائی۔ وہ قطعی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی مسکراہٹ
کا مطلب وہ عورتیں سمجھ سکیں۔ اور اگر وہ سمجھ بھی گئیں تو کیا....!